قادیانی مذہب میں خدا کا تصور

علامہ طالوت رحمۃ اللہ علیہ

مرزائی اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے یہ دعوے کیا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب تجدد دین کے لیے منصبِ امامت و نبوت پر فائز ہوئے اور انھوں نے تیرہ سو سال کے غلط تصورات کو اپنے جدید علم کلام کے ذریعہ (جو انھیں الہاماً عطا فرمایا گیا) مٹانے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ اور یہی ان کے تشریف ارزانی فرمانے کا مقصد تھا۔

ہر مذہب میں جملہ اعتقادات ویقینات سے پہلے خدا کے وجود کا اقرار ضروری ہے اور ہر ایک مذہب کے پیروؤں کے ہاں خدا اور اس کی صفاتِ کاملہ کا کچھ نہ کچھ تصور موجود ہے۔ مسلمانوں کے ہاں تیرہ سو سال سے اب تک خدا کو واجب الوجود، خالق عالم، مسبب الاسباب، عالم ماکان وما یکون، قادر مطلق، جملہ عیوب سے منزہ اور جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف مانا جاتا ہے۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے بھی مسلمانوں کا یہی عقیدہ تھا اور آج بھی مسلمان یہی اعتقاد رکھتے ہیں مگر مرزا صاحب جدید علم کلام لے کر جب تشریف لائے تو انھوں نے اس بنیادی عقیدہ کے متعلق سب سے پہلے یہ رائے ظاہر کی۔

> ''اس وجود اعظم کے بے شمار ہاتھ پیر ہیں۔ طول اور عرض رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس کی تاریں ہیں۔'' (توضیح المرام، ص ۲۳۵)

اس کے بعد جب اسے تجسم سے متصف کر دیا گیا تو یقینی بات ہے کہ آمد و رفت کی سہولت کے لیے اس کے پاس کوئی سواری بھی ہو۔ چنانچہ کہا:

> ''خدا تعالیٰ نے اپنی تجلی پاک کے ساتھ اس پر یعنی انسان پر سوار ہوا جیسے اونٹنی پر سوار ہوتا ہے۔''
>
> (توضیح المرام، ص ۸۵)

''سواری'' کے بعد اللہ میاں کیا کرتے ہیں؟ یہ ایک فطری سوال ہے جو مرزا صاحب کی فصیح و بلیغ عبارت پڑھ کر ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک مرزائی وکیل کا بیان تو یہ ہے کہ طاقت رجولیت کا اظہار فرماتے ہیں'' مگر خود مرزائی صاحب اشارات و کنایات تک اس دلچسپ حکایات کو محدود فرما کر صرف اتنا فرما گئے ہیں:

''خدا بے پردہ ہوکر مجھ سے ٹھٹھے کرتا ہے۔'' (توضیح المرام)

اگر آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آخر خدا جب مجسم ہے تو کاہے کا بنا ہوا ہے۔ انسان کی طرح اربع عناصر سے اس کی ترکیب ہے یا کوئی بڑھیا دھات اس کے وجودِ مسعود میں لگائی گئی۔ تو اس کے جواب میں جدید علم کلام نے صرف اتنا کہا ''ربنا العاج'' ہمارا رب عاج ہے۔ اب ''عاج'' کی لغوی تحقیق آپ خود ہی فرمائیں۔ عام تحقیق پر اعتبار ہو تو اس کے معنی ''ہاتھی کے دانت'' کے کر لیجیے اور اگر زیادہ دقتِ نظر کا اشتیاق ہو تو شاید اس کے معنی ''گوبر'' کے بھی نکل آئیں۔ غرض اس میں آپ کو جدید علم کلام کسی خصوصی تصور پر مجبور نہیں کرتا۔ یہ معاملہ آپ کے عقل و نظر پر موقوف چھوڑا گیا ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی صفات کا معاملہ آتا ہے تو ان کے تصور کے لیے فی الحال میرے سامنے صرف دو حوالے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ خدا کو کسی انگریزی عدالت کا حاکم تصور فرمایئے۔ جو کوٹ پتلون ڈانٹے گردن اکڑائے کرسی پر نیم دراز ہے۔ مقدمے کے واقعات تو کیا مدعی اور مدعا علیہ کی زبان تک سے ناواقف ہے۔ مثل خوان کان پر قلم دھرے میز کے ساتھ ہے اور اپنی مرضی کے موافق حکم لکھ کر ''صاحب'' سے صرف دستخط لے لیتا ہے۔ اس تصور میں مرزا صاحب اپنی حیثیت اس مثل خوان سے دستخط کرا لیتے ہیں۔ اس تصور میں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ دستخط کرنے کے وقت خدا ایک نو آموز پٹواری کی طرح اپنے اردگرد روشنائی کا چھڑکاؤ بھی ضروری خیال فرماتے ہیں تاکہ ''خدا کی بات پوری ہوکر'' سند رہے۔ اور وقت ضرورت بغیر ہرا اور پھٹکڑی لگائے رنگ چوکھا دینے کے کام آئے۔

دوسرا حوالہ یہ ہے کہ خدا کو ایک کم حوصلہ سردار تصور کیجیے جس کے ماتحت سے راستے میں کسی راہی کی مڈبھیڑ ہوگئی ہو۔ اگرچہ نوکر، چاکر، سپاہی اور شاگرد پیشہ سب موجود ہیں مگر سردار خود سواری سے اتر کر اس راہ گیر کے ساتھ ہاتھا پائی کرنے لگ جاتا ہے اور اس میں اپنے مرتبہ اور وجاہت کا خیال بھی نہیں کرتا۔ ملاحظہ ہو:

> ''اور لیکھرام کے متعلق جو پیش گوئی ظہور میں آئی وہ درحقیقت خدا کی ایک چمکار تھا گویا یا خدا اپنے رسول کے لیے خود اتر کر لڑا۔'' (نزول مسیح، ص ۱۴۴)

ان تصورات کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کے ایک ساتھی پیر سراج الحق صاحب کے بیان کو اور ملا لیجیے۔ وہ کہتے ہیں:

> ''حضرتِ اقدس علیہ السلام (؟) کی وفات سے تقریباً دو سال پہلے میں نے ایک خواب دیکھا کہ قادیان شریف سے مشرق کی طرف زمین و آسمان کے درمیان کھڑا ہوں اور میرا منہ مغرب کی طرف ہے اور میرے دس بارہ قدم کے فاصلہ پر اللہ جل شانہ کھڑے ہیں۔ پنجابی روش کے کپڑے ہیں۔ اور قومی

پہلوان مضبوط بھاری جسم ہے اور آپ کا منہ قادیان کی طرف ہے، لیکن آپ مجھ سے کچھ اوپر کی طرف ہیں اور میرے دائیں طرف لیکن نیچے کی طرف پانچ سات قدم کے فاصلہ پر مولانا نورالدین وغیرہ ہیں اور مولوی محمد احسن اور مولوی محمد علی ایم اے بہت دور کھڑے ہیں اور بہت نیچی جگہ پر ہیں۔ مگر اللہ جل شانہ اس طرح کھڑے ہیں کہ جیسے کسی محبوب کے انتظار میں ہو اور جلد دوڑ کر اس کو چمٹ جاوے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ دیکھئے کون محبوبِ الٰہی آتا ہے۔ اتنے میں حضرت مسیح موعود دوڑتے ہوئے آئے۔ اور جب میرے سامنے آئے تو اللہ جل شانہ چند قدم چل کر دوڑ کر لپٹ گئے اور حضرت مسیح موعود اللہ جل شانہ کو چمٹ گئے۔'' (الحکم قادیاں، ۲۱؍اگست ۱۹۳۸ء، ص ۴)

اس کھلی ہوئی شہادت اور انتہائی وضاحت کے بعد جدید علمِ کلام کی بنا پر خدا کا تصور گاما پہلوان کے تصور سے ملتا جلتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ گاما پہلوان خاک وخون سے بنا ہوا ہے اور خدا ہاتھی دانت کا ہے۔ گاما پہلوان کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں اور خدا کے بے شمار ہاتھ اور بے شمار پاؤں اور تیندوے کی طرح کی تاریں۔ ان کے علاوہ وہ کرسی پر بیٹھا دستخط کر رہا ہے، کبھی انسان پر سوار ہے۔ کبھی مرزا کے ساتھ مصروفِ ملاعبت ہے، کبھی راہ گیروں کے ساتھ لڑ رہا ہے اور کبھی دوڑ دوڑ کر مرزا سے بغل گیری اور معانقہ کر رہا ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ ۔ اللھم اعذنا من ھذہ الخرافات

سیاست

''اس ہزار شیوہ نازنین نے کس سے وفا کی ہے اور سے دغا۔ اس کی چشمِ مے فروشی سے کس نے جرعہ ہائے یاسمینی کشید کیے اور کس بدنصیب نے نگہ خشونت آلود سے سزا پائی۔ اس مقتلِ سیاست میں کون کون اس کے غمزہ ہائے بے محابا کا صیدِ زبوں ہے اور کون کون اس سے بوس وکنار کا لطف اٹھا رہا ہے۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ایشیائی معشوق کی مختلف اداؤں کا جو نقشہ غزل میں کھینچا جاتا ہے وہ اس کے قامت دلجو کی خصوصیتِ اولیٰ ہے۔ یہ ایک عجیب جلوہ گاہ ناز ہے جو آج باریاب ہے، وہی کل سزاوار ہے۔ آج جن کو خم پہ خم عطا کیے جا رہے ہیں وہی کل ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں۔ غرض یہ کہ سیاسیات کی مثال اس ابرِ رواں کی طرح ہے جو کبھی رحمت اور کبھی زحمت ہو جاتا ہے۔''

(شورش کاشمیریؒ)